۳۶

(فرمودہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء بمقام منٹو پارک لاہور)

دُنیا کی ہر چیز میں ایک نسبت پائی جاتی ہے اور نسبتوں کو نظر انداز کر دینا کبھی بھی انسان کے لئے سکھ کا موجب نہیں ہوتا۔ اپنے اپنے مقام پر ہر چیز کی ایک اہمیت بھی ہوتی ہے اور اپنے اپنے مقام پر ہر چیز دوسرے کے لئے قربان بھی کی جاتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ تم میں سے ہر شخص ایک نگران کی حیثیت رکھتا ہے اور جو چیزیں اس کے سپرد کی گئی ہیں ان کے متعلق وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ اب کُلُّکُمْ رَاعٍ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ نسبت کا اصل بالکل درست ہے۔ کیونکہ کُلُّکُمْ رَاعٍ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بادشاہ بھی ایک راعی ہے اور اس سے رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ صرف بادشاہ راعی ہے بلکہ فرمایا ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ تم میں سے ہر شخص ایک راعی کی حیثیت رکھتا ہے پس بادشاہ ہی نہیں ایک وزیر بھی راعی ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے بادشاہ کے سامنے بھی جوابدہ ہے۔ پھر گورنر بھی راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق اسے اللہ تعالےٰ کے حضور جواب دینا پڑے گا مگر اس کے ساتھ ہی وہ وزیر کے سامنے بھی جوابدہ ہے۔ پس کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ نے بتادیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نسبت کے اصل کو تسلیم فرماتے ہیں اگر نسبت کے اصل کو تسلیم نہ کیا جائے تو ایک ہی راعی ہوگا مگر آپ فرماتے ہیں تم میں سے ہر شخص ایک راعی کی حیثیت رکھتا ہے یہاں تک کہ خاکروب بھی اپنی جگہ ایک راعی ہے۔ اور چرواہا جو بکریاں چراتا ہے وہ بھی اپنی جگہ راعی ہے اسی طرح مرد بھی راعی ہے اور عورت بھی بلکہ بچے بھی اپنے اپنے مقام پر راعی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں ہوتا جس کے سپرد کوئی چیز نہیں ہوتی۔

راعی کے معنے ضروری نہیں کہ ایسے شخص کے ہوں جس کے سپرد آدمی ہوں۔ اگر ایک چرواہا اپنے پاس صرف بھیڑ بکریاں رکھتا ہے تو اس سے بھی ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچوں کو کھلونے لے کر دیئے جاتے ہیں تو مائیں اپنے بچوں سے پوچھتی ہیں کہ تم نے فلاں کھلونا کیوں ضائع کر دیا۔ یا فلاں دن تمہیں گڑیا خرید کر دی گئی تھی وہ تم نے کیوں

توڑ دی جس طرح بچوں سے کھلونے کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص سے دریافت کرے گا کہ اس نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اپنی ذمہ داریوں کو کہاں تک ادا کیا ہے۔
رعیت کے معنے لفظی طور پر خواہ کچھ ہوں كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ میں ہر وہ چیز مراد ہے جو کسی کے سپرد کی جاتی ہے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان جاندار چیزوں میں اس کا مفہوم اور معنوں کے لحاظ سے آجائے گا اور بیجان چیزوں میں اس کا مفہوم اور معنوں کے لحاظ سے آجائے گا۔ بہرحال ہر شخص پر کچھ نہ کچھ ذمہ داری ہوتی ہے مگر وہ ذمہ داری نسبتی ہوتی ہے۔ بسا اوقات جس کے سپرد کوئی کام کیا جاتا ہے اس کے اوپر اور افسر ہوتے ہیں، اور ان کے اوپر اور افسر ہوتے ہیں۔ اگر نسبت کے اصول کو ہم نظر انداز کر دیں تو کارخانۂ عالم سب درہم برہم ہو جائے۔
اس دنیا میں نسبت کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت اللہ تعالیٰ کے وجود کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیثیت ایک خالق اور مالک کی ہے اور باقی جس قدر ہستیاں ہیں وہ سب اس کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ اس وجہ سے اس دنیا میں یا ہر دنیا میں سب سے مقدم مقام اللہ تعالیٰ کی آواز کو حاصل ہے اور سب سے زیادہ اہمیت اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی آواز آئے گی، وہاں دوسروں کی آواز ہمیں دبانی پڑے گی۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا وہاں دوسروں کے احکام کو ہمیں نظر انداز کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہماری حیثیت ایک باغی کی سی ہو گی۔
ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ لاکھوں لاکھ غریب جو دوسروں کی ملازمت پر گذارا کرتے ہیں ان کے اپنے جذبات ان کے مالکوں کے جذبات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ ایک مشاطہ کا بچہ فوت ہو جاتا ہے، ایک دھوبی کے گھر موت واقع ہو جاتی ہے، ایک نائی کا عزیز اسے چھوڑ چکا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود وہ مجبور ہوتے ہیں کہ مسکراتے ہوئے پروں کے ساتھ اپنے آقاؤں کی خدمت کریں اس لئے کہ وہ خادم ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے آقا کے مقصد اور مدعا کو پورا کریں خواہ انہیں خوشی ہو یا غمی۔ رنج ہو یا راحت۔ حالانکہ دھوبی سے کپڑے دھلانے والے کا یا نائی سے حجامت بنوانے والے کا یا مشاطہ سے چوٹی کروانے والی کا دھوبی یا نائی یا مشاطہ سے کتنا چھوٹا اور محدود تعلق ہوتا ہے۔ بسا اوقات دھوبی کی خدمت زیادہ ہوتی ہے، نائی کی خدمت زیادہ ہوتی ہے۔ مشاطہ کی خدمت زیادہ ہوتی ہے اور جو کچھ ان کے آقاؤں کی طرف سے انہیں معاوضہ میں ملتا ہے وہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر امراء اپنی طبیعت میں خست رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں امراء کی یہ حالت ہوتی

ہے کہ بسا اوقات وہ بازار میں سودا سلف خریدنے کے لئے جائیں گے تو دوکاندار سے بحث شروع کردیں گے کہ اتنی قیمت ہمیں چھوڑ دی جائے گی۔ گویا وہ غرباء سے بھی روپیہ چھڑانے کے عادی ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے پاس سے کچھ دینے کی عادت مفقود ہوتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اپنے اندر تقویٰ رکھتے ہوں اور اللہ تعالےٰ کی خشیت ان کے دلوں میں پائی جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں عام طور پر مزدور پیشہ لوگ اپنے آقاؤں سے عناد رکھتے ہیں کیونکہ مالک ان کا حق مارنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور انصاف اور حسن سلوک سے کام نہیں لیتے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا اپنے بندوں سے یہ معاملہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کا حق نہیں مارتا۔ کیونکہ وہ غنی ہے اور نہ صرف غنی ہے بلکہ صمد بھی ہے۔ غنی کے معنے ہیں جس کو خود کسی کی احتیاج نہیں اور صمد کے معنے ہیں جس کو خود کسی کی احتیاج نہیں اور جو دوسروں کی احتیاج کو پورا کرتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ؑ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات ایسی ہے کہ خود کسی کا محتاج نہیں اور دوسروں کی ضروریات کو بھی پورا کرتی ہے۔ ایسے آقا کی شان کا مقابلہ دوسرے لوگ کہاں کرسکتے ہیں۔ اور جب ہمارا آقا اس شان اور عظمت کا ہے تو ایک مومن کو ہمیشہ اپنے آقا کے منشاء اور اس کے مقصد کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور اپنے مقاصد کو اسی طرح بھول جانا چاہیئے جس طرح عام ملازمت پیشہ لوگ اپنے آقا کی خوشی میں اپنے غموں کو بھول جاتے ہیں۔

آج کی عید اس بات کا سبق اپنے اندر رکھتی ہے کہ اپنے آقا کی خوشی اور اس کی مرضی کے موقع پر انسان کو اپنا غم بالکل بھول جانا چاہیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی یادگار کے طور پر یہ عید مقرر کی گئی ہے انہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کردے ؎۔ ابراہیمؑ نے اس خواب کے معنے یہی سمجھے کہ مجھے ظاہری طور پر اپنے بیٹے کو قربان کردینا چاہیئے اور انہوں نے عملی طور پر اپنے بیٹے کے حلق پر اس کو ذبح کرنے کے لئے چھری رکھ دی ؎۔ اپنے بیٹے کا اپنے ہاتھوں حلق کاٹنا تو دور کی بات ہے۔ اپنے بچے کی موت کی خبر سننا بھی باپ کے لئے بہت تلخ ہوتا ہے۔ پھر باپ کے سامنے اپنے بیٹے کا مرنا اور بھی تلخ ہوتا ہے۔ اور بیٹے کا باپ کی غلطی کی وجہ سے مرجانا اس سے بھی زیادہ تلخ ہوتا ہے۔ مگر بیٹے کا اس کی اجازت سے مارا جانا اس سے بھی تلخ تر ہوتا ہے۔ اور بیٹے کو لٹا کر اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا اور بھی تلخ ہوتا ہے لیکن باوجود اس انتہائی تلخی اور مرارت کے ابراہیمؑ نے تعبیر کی کوشش نہیں کی بلکہ جب خدا تعالےٰ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو ابراہیمؑ نے یہی سمجھا کہ مجھے اس حکم کی ظاہری طور پر تعمیل کرنی چاہیئے اور اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردینا چاہیئے۔ انہوں نے سمجھا یہ ایک انعام ہے کہ میں خدا تعالےٰ کے ایک حکم کو پورا کرنے لگا ہوں اور انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر اس کا

ذکر کیا۔ وہ بیٹا بھی اپنے باپ کا سپوت بیٹا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مَیں تمھیں ذبح کر رہا ہوں اور اب مَیں چاہتا ہوں کہ تمھیں واقعہ میں ذبح کر دوں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جواب میں کہا مجھے اور کیا چاہیئے۔ جب خدا نے یہ حکم دیا ہے تو آپ شوق سے اس حکم کی تعمیل کریں ؎۔ چنانچہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ قربان ہونے کے لئے چل پڑا۔ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو لٹا کر اس کے حلق پر چھری رکھدی تو اللہ تعالےٰ نے کہا۔ ابراہیمؑ! تو نے اپنا رؤیا ظاہر میں بھی پورا کر دیا ہے ؎ مگر ہمارا منشاء اور تھا۔ اب تم اس کی جگہ ایک دُنبہ ذبح کر دو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ عید ابراہیمؑ کے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر امّتِ محمدیہ میں قائم کی گئی ہے ؎ اب ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس عید میں وہ کونسی چیز ہے جو یادگار سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ عید تبھی یادگار ہو سکتی ہے جب ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنا اپنے لئے عید سمجھا ہو۔ اگر اسمٰعیلؑ کی قربانی کو انہوں نے عید نہیں سمجھا تو یہ عید اس واقعہ کی یادگار بھی نہیں ہو سکتی۔ یادگار اسی صورت میں کہلا سکتی ہے جب ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کی قربانی کو اپنے لئے عید سمجھا ہو۔ اور درحقیقت یہی سبق ہے جو اس عید کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ عیدالاضحیہ ہمیں سبق دیتی ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی کو مصیبت نہیں سمجھا۔ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی کو آفت نہیں سمجھا۔ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی کو ابتلاء نہیں سمجھا بلکہ چونکہ وہ اپنے بیٹے کی قربانی کے لئے خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت گیا تھا اس لئے اس دن ابراہیمؑ ویسی ہی خوشی محسوس کر رہا تھا جیسے عید کے دن ہم بکرا ذبح کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں یا اگر ہم خود قربانی نہ کریں تو اپنے ہمسایہ کو قربانی کرتے دیکھکر ہی جو خوشی محسوس کرتے ہیں، ویسی ہی خوشی اس روز ابراہیمؑ کا قلب محسوس کر رہا تھا۔ مگر افسوس کہ ابراہیمؑ کی تو یہ حالت تھی کہ اس نے خدا تعالےٰ کے لئے اپنے بچہ کو قربان کرنا بھی اپنے لئے عید سمجھا۔ اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے بعض لوگ عید کے موقعہ پر بکرا قربان کرنے کی توفیق رکھنے کے باوجود اس قربانی کو بھی بوجھ سمجھتے اور اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ میں نے خود کئی مسلمانوں کے مضامین اخبارات میں پڑھے ہیں جن میں وہ لکھتے ہیں کہ قربانی پر بلا وجہ روپیہ ضائع کیا جاتا ہے۔ کیوں نہ یہ روپیہ غرباء میں تقسیم کر دیا جائے یا کیوں نہ یتیم خانوں کو دے دیا جایا کرے یا کیوں نہ قومی ترقی کے کاموں پر اس روپیہ کو صرف کیا جائے ؎ ان سے کوئی نہیں کہتا کہ تمہاری جیب میں اَور بھی تو پیسے ہیں۔ تم خدا تعالےٰ کے اس حکم کو پورا کرو اور پھر اس حکم کو پورا کرنے کے بعد جو کچھ تمہاری جیب میں بچے وہ یتیم خانوں کو دے دو یا قومی ترقی کے کاموں پر صرف کر لو۔ تمھیں اس سے کون منع کرتا ہے۔ مگر وہ نام تو یہ رکھیں گے کہ یتیم خانہ کی

مدد کی جائے، وہ نام تو یہ رکھیں گے کہ حجاز ریلوے کی مدد کی جائے، وہ نام تو یہ رکھیں گے کہ ریفیوجیز (REFUGEES) کی مدد کی جائے مگر جب خرچ کریں گے تو اس خانہ میں سے خرچ کریں گے جو خدا نے اپنے لئے رکھا تھا حالانکہ اگر انہیں ریفیوجیز کی مدد کا شوق تھا، اگر وہ یتیم خانوں کو روپیہ دینا چاہتے تھے اگر وہ حجاز ریلوے کی مدد کرنا چاہتے تھے تو وہ اپنے جیب سے کر سکتے تھے۔ کیا قربانی کرنے کے بعد انسان کنگال ہو جاتا ہے اور کیا دُوسرے کاموں کے لئے اس کے پاس کوئی روپیہ نہیں بچتا؟ جب بچتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ایک حکم کو پسِ پُشت ڈال کر اَور کاموں پر روپیہ صرف کر دینا کونسی دانائی اور عقلمندی ہے۔ ایمان تو یہ تھا کہ جو کچھ خدا نے کہا تھا پہلے اس کو پورا کیا جاتا اور پھر اَور کاموں پر روپیہ صرف کیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کر دینا اور دوسرے کاموں پر وُہ روپیہ صرف کرنا جسے خدا تعالیٰ نے اَور جگہ خرچ کرنے کا حکم دیا ہوا تھا بتاتا ہے کہ مسلمان اسلام سے کس قدر دُور جا چکے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کیسی ناقدری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر یتیم خانوں اور حجاز ریلوے اور ریفیوجیز کی مدد کا انہیں شوق ہی ہے تو وہ اپنی جیب سے کریں۔ خدا تعالیٰ کے حکم کو پسِ پُشت ڈال کر کیوں کرتے ہیں کیا یہی ایک قربانی ہے جس پر امیر آدمی سارے سال میں روپیہ صرف کیا کرتا ہے اور اس کے بعد اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں رہتا۔ جب بیسیوں نہیں سینکڑوں کاموں کے لئے اس کے پاس روپیہ ہوتا ہے۔ تو قربانی کے روپیہ کو دوسری جگہ کیوں صرف کیا جاتا ہے؟ کیوں قربانی کا روپیہ قربانی پر صرف نہیں کیا جاتا اور باقی کاموں کے لئے اپنے پاس سے روپیہ نہیں دیا جاتا؟ قربانی پر اعتراض کرنا اور اسی روپیہ کو اپنے ذاتی کاموں پر صرف کر دینا بتاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو قربانی کی اہمیت کا کوئی احساس ہی باقی نہیں رہا۔ وہ قربانی کی توفیق رکھنے کے باوجود چند روپے خرچ کرنا بھی اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتے اور بکرے کی قربانی بھی موت کی طرح سمجھتے ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام نے یہ نمونہ دکھایا کہ اس نے اپنے بیٹے کی قربانی کو عید سمجھا اس نے کہا مجھ سے زیادہ خوش قسمت انسان اَور کون ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا اور وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور سچے وفادار کی یہی علامت ہوتی ہے، وہ اپنے دوست اور محبوب کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کجا یہ کہ ایسا محبوب اور دلدار ہو جو نہ صرف محبُوب اور دلدار ہو بلکہ انسان کا خالق اور مالک اور آقا بھی ہو۔

قصّہ مشہور ہے کہ ایک نوجوان اپنے باپ کا مال دوستوں کے ساتھ مل کر اُڑانے کا عادی تھا۔ ہر وقت اس کے ارد گرد خوشامدیوں کا ہجوم رہتا اور وہ دن رات روپیہ کو برباد کرنے رہتے

اس کا باپ اسے ہمیشہ نصیحت کرتا کہ یہ خوشامدی اور خود غرض نوجوان ہیں انہیں تم سے حقیقی محبت نہیں۔ تم ان پر اپنا روپیہ برباد مت کرو۔ مگر وہ اپنے باپ کی نصیحت کو کبھی تسلیم نہ کرتا اور یہی جواب دیتا کہ یہ میرے سچے دوست ہیں۔ باپ نے کہا تمہیں اتنے دوست کہاں سے مل گئے مجھے تو ساری عمر میں صرف ایک دوست ملا ہے۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ تمہارے اردگرد ہر وقت دوستوں کا ہجوم رہتا ہے۔ جب بہت عرصہ گذر گیا اور باپ کی نصیحت اس نے تسلیم نہ کی۔ تو ایک دن باپ نے اسے کہا اگر تمھیں میری بات پر اعتبار نہیں تو تجربہ کرلو۔ اور اپنے دوستوں کا امتحان لے لو۔ پھر تمہیں خود بخود پتہ لگ جائے گا۔ کہ تمہارے کتنے حقیقی دوست ہیں اس نے کہا۔ میں اپنے دوستوں کا کس طرح امتحان لوں۔ باپ نے کہا، کہ تم ہر دوست کے مکان پر جاؤ اور اسے کہو کہ میرے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے اور جائداد سے مجھے بے دخل کر دیا ہے مجھے اس وقت کچھ روپیہ دیا جائے تاکہ میں روزگار کا انتظام کرسکوں۔ جب وہ اپنے دوستوں کے مکانوں پر گیا اور انہیں معلوم ہوا کہ اسے باپ نے گھر سے نکال دیا ہے تو کسی نے اندر سے کہلا بھیجا۔ کہ میں بیمار ہوں افسوس ہے کہ اس وقت مل نہیں سکتا۔ کسی نے خادم کے ذریعہ کہلوا دیا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ کسی نے معذرت کا اظہار کر دیا اور کہدیا کہ روپیہ تو تھا۔ مگر آج ہی فلاں کو دیدیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ خالی ہاتھ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچا۔ اور اسے کہا کہ آپ کی بات درست ثابت ہوئی، میری تو کسی شخص نے مدد نہیں کی۔ باپ نے کہا۔ اب آؤ میں تمہیں اپنا دوست بتاتا ہوں۔ یہ کہکر وہ اسے اپنے ساتھ شہر سے باہر جنگل کی طرف لے گیا اور ایک مکان کے پاس پہنچ کر اس نے آواز دی۔ جس طرح اس زمانہ میں ریل پر پہرہ ہوتا ہے اسی طرح پرانے زمانے میں سڑکوں پر پہرہ ہوا کرتا تھا۔ اور وہ شخص بھی انہی پہرہ داروں میں ملازم تھا، اس نے زنجیر کھٹکھٹائی تو اندر سے آواز آئی کہ کون ہے اس نے اپنا نام لیا کہ فلاں شخص ہوں۔ اس نے کہا بہت اچھا مگر اتنا کہنے کے بعد خاموشی طاری ہوگئی اور آدھ گھنٹے تک اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ بیٹا کہنے لگا۔ آپ کا دوست بھی میرے دوستوں جیسا ہی ثابت ہوا ہے۔ باپ نے کہا گھبراؤ نہیں ابھی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ اس نے نکلنے میں کیوں دیر لگائی ہے۔ پانچ دس منٹ اور گذرنے کے بعد وہ شخص باہر نکلا۔ اس نے ایک ہاتھ میں اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اس کی کمر میں ہمیانی بندھی ہوئی تھی اور اس کے دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے باہر نکل کر کہا۔ میرے دوست معاف کرنا۔ مجھے دیر اس لئے ہوگئی کہ آج آپ آدھی رات کے وقت تشریف لائے ہیں۔ جب آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میرے دل میں خیال آیا کہ آدھی رات کے وقت آپ کا میرے پاس آنا ضرور اپنے اندر کوئی غرض رکھتا ہے۔ چنانچہ

مَیں نے سوچا کہ ممکن ہے آپ پر اس وقت کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو اور آپ مدد کے لئے میرے پاس آئے ہوں اس خیال کے آنے پر مَیں نے تلوار اُٹھا لی کیونکہ یہی اک چیز ہے جس سے مَیں آپ کی مدد کر سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ گو آپ کروڑپتی ہیں مگر کبھی کروڑپتیوں پر بھی ایسی مصیبت آجاتی ہے کہ وہ پیسہ پیسہ کے محتاج ہوجاتے ہیں۔ جیسے مشرقی پنجاب میں کئی مسلمان کروڑپتی تھے مگر آج وہ بالکل کنگال ہیں۔ میں نے ساری عمر پیسہ پیسہ جمع کر کے چار پانچ سو روپیہ اکٹھا کیا تھا اور اسے زمین میں دبا رکھا تھا۔ اس خیال کے آنے پر مَیں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور وہ تھیلی نکال لی اس لئے مجھے باہر آنے میں دیر ہوگئی ہے اس کے بعد مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے آپ کے گھر والے بیمار ہوں اور ان کی تیمارداری کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت ہو۔ چنانچہ مَیں نے اپنی بیوی کو جگایا اور اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اب یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں، بتایئے آپ کو کیا کام ہے۔ باپ نے اپنے بیٹے سے کہا۔ دیکھا! اس قسم کے دوست ہُوا کرتے ہیں[۹۵]

یہ مثال اپنے اندر یہ سبق رکھتی ہے کہ اگر انسانوں کے دوست اس قسم کے ہوسکتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے دوست کو کیسا ہونا چاہیئے اور اسے خدا تعالےٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو کس طرح مدنظر رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انسان اگر سچا مومن ہو تو اسے ہر وقت خدا تعالےٰ پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ میرا خدا کدھر دیکھ رہا ہے۔ پھر جس چیز میں خدا کی رضا ہو اسی چیز کو قبول کرنا چاہیئے اور خوشی اور بشاشت کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ بہت بڑی مصیبت پر جو ان دنوں ان پر وارد ہوئی ہے بجائے اس کے کہ وہ روئیں اور ہمت ہار کر بیٹھ جائیں، اللہ تعالےٰ کی تقدیر کو خوشی سے قبول کریں اور مصائب کو ہمت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنے کی عادت ڈالیں۔ مجھے افسوس ہے کہ باہر سے جو ریفیوجی (REFUGEE) آرہے ہیں وہ کوئی اچھا نمونہ نہیں دکھا رہے۔ بلکہ ہماری جماعت کے بعض دوستوں میں بھی یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ پہلے ایک گاؤں میں جاتے ہیں اور جب انہیں وہاں دانہ وغیرہ مل جاتا ہے تو اس گاؤں سے دوسرے گاؤں چلے جاتے ہیں اور یہ عذر کر دیتے ہیں کہ وہاں زمین اچھی نہیں ہمیں کسی اور جگہ بھیجا جائے۔ دراصل انہیں بیکار بیٹھکر روٹی کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اور دوسری طرف چونکہ ان کی اپنی جائدادیں ضائع ہوگئی ہیں ان کے نفس میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور وہ کسی جگہ استقلال کے ساتھ بیٹھکر کام نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اگر وہ اپنے خدا پر سچا ایمان رکھتے تو ان مصائب میں بھی ایک لذت محسوس کرتے اور خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں دُنیا کی کسی

چیز کی پرواہ نہ کرتے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اُحد کی جنگ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو اس خبر کے سنتے ہی مدینہ کی عورتیں گھبرا کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں۔ اور بعض تو اس اضطراب اور پریشانی میں اُحد تک جا پہنچیں جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے جب مسلمان عورتیں گھبراہٹ اور اضطراب کے عالم میں اُحد کی طرف جا رہی تھیں تو انہیں راستہ میں بعض مسلمان سپاہی ملے جو واپس مدینہ جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک عورت آگے بڑھی اور اس نے ایک مسلمان سپاہی سے پوچھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ چونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلامت دیکھ چکا تھا اور اس کا دل مطمئن تھا۔ اس نے بجائے یہ جواب دینے کے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت کے ساتھ ہیں۔ اس عورت کو یہ جواب دیا کہ بی بی مجھے بڑا افسوس ہے تمہارا والد اس جنگ میں شہید ہو گیا ہے۔ اس نے کہا میں تم سے اپنے والد کا حال دریافت نہیں کر رہی۔ میں تم سے یہ پوچھتی ہوں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اس نے پھر اصل بات کا کوئی جواب نہ دیا اور کہا۔ بی بی تمہارا خاوند بھی شہید ہو گیا ہے اس عورت نے پھر کہا میں تم سے اپنے خاوند کے متعلق بھی نہیں پوچھ رہی تم مجھے یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا بی بی تمہارا بیٹا بھی شہید ہو گیا ہے اس پر پھر اس نے کہا میں نے تم سے اپنے بیٹے کے متعلق بھی سوال نہیں کیا میں تم سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کر رہی ہوں اور غصہ سے کہا کہ میں تم سے اپنے رشتہ داروں کے متعلق سوال نہیں کر رہی۔ تم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بتاؤ۔ اس نے کہا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خیریت سے ہیں جب عورت نے یہ سنا تو اس نے کہا جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں تو پھر مجھے کسی کی موت کی پرواہ نہیں۔ اس کے بعد اس عورت نے کہا۔ گو تم نے مجھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر سنا دی ہے مگر مجھے تسلی نہیں ہو گی جب تک میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اس نے بتایا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں جگہ کھڑے ہیں۔ وہ عورت دوڑی ہوئی وہاں گئی وہ منہ سے کہتی جاتی تھی کہ یا رسول اللہ! آپ نے یہ کیا کیا یعنی زخمی ہو کر گرے اور آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی اور ہم لوگوں کو اتنا دکھ پہنچا ہے اس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو دیوانہ وار دوڑی ہوئی آپ کے پاس پہنچی اور محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس نے جھک کر آپ کے کرتے کا دامن چوما۔ اُسے اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اور پھر کہا یا رسول اللہ! لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تیرا خاوند مارا گیا ہے۔

تیرا باپ مارا گیا ہے۔ تیرا بیٹا مارا گیا ہے۔ یا رسُول اللہ! آپؐ کے زندہ ہوتے ہوئے کسی اَور کی مجھے پرواہ ہی کیا ہے؟ تو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ان لوگوں کے دلوں میں کتنی تھی اور کتنا عشق تھا جو ان لوگوں کے قلوب میں پایا جاتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک مومن کو نسبت کا اصل ہمیشہ مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بہت بڑے محبوب ہیں مگر خدا ہمیں آپ سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ اگر اس عورت کو اپنے خاوند کی موت، اپنے باپ کی موت، اپنے بیٹے کی موت اور اپنے بھائی کی موت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں پریشان نہیں کرسکتی تھی تو ہمیں اپنے زندہ خدا کی موجودگی میں کوئی مصیبت کس طرح پریشان کرسکتی ہے۔ اگر ہمارا نقصان ہوجائے تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے خدا کا ایسا ہی ارادہ تھا۔ اور ہمیں راضی برضا رہ کر اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑھانا چاہیئے۔ لیکن اگر بفرضِ محال ہمارا خدا ہی ہمیں مارنے پر تُلا ہوُا ہے تو پھر ہمیں کوئی طاقت موت سے بچا نہیں سکتی۔ اس صورت میں ہمارا اپنے متعلق فکر کرنا نادانی اور حماقت ہے۔ بہرحال دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے اگر ہمارے خدا نے ہماری موت کا فیصلہ کردیا ہے تو پھر کوئی طاقت ہمیں اس موت سے بچا نہیں سکتی۔ اس صورت میں غم میں مبتلا رہنا بالکل فضول ہے۔ اور اگر ہمارے خدا نے ہمیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہوُا ہے تو اس صورت میں بھی ہمارا گھبرانا اور پریشان ہونا بیوقوفی اور پاگل پن کی بات ہے۔ بے شک غموں اور مصیبتوں کے وقت خوشی کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک مشاطہ۔ ایک نائی اور ایک دھوبی تھوڑے سے پیسوں کی خاطر اپنے آقا کے سامنے اپنے چہرہ کو اس لئے ہشاش بشاش بنا لیتے ہیں کہ کہیں ان کے تعلقات اپنے آقا سے خراب نہ ہوجائیں تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ جب خدا نے ہماری جماعت کے لئے ایک عید تجویز کی ہے تو ہم مصائب کے دَوران میں بھی خوشی کے ساتھ اس عید کو منائیں اور ہشاش بشاش چہروں کے ساتھ اپنے رب کی عطا کردہ خوشی میں شریک ہوں۔

عید الاضحیہ کے معنے ہیں قربانیوں کی عید جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مفہوم ہے کہ قربانیوں پر لوگ رویا کرتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں تمہارا اس طرح امتحان لُوں گا کہ تم قربانی کرو اور ہنسو۔ اور اگر ہمارا خدا چاہتا ہے کہ ہم ہنستے ہوئے اس کے حضور قربانی پیش کریں تو ایک مومن کی حیثیت سے، ایک عاشق کی حیثیت سے ایک محبّ کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم قربانی کریں اور ہنستے ہوئے کریں۔

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں آج کی عید کی حکمت کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ یہ عید بتاتی ہے کہ مسلمانوں کو قربانیاں کرنی پڑیں گی اور ان کا فرض ہوگا کہ وہ ہنستے ہوئے چہروں

کے ساتھ قربانیاں کریں۔

گذشتہ جنگ عظیم میں ایک جرمن بڑھیا کے متعلق اخبارات میں شائع ہُوا تھا کہ اس کے سات بچے تھے اور اس نے ساتوں کے ساتوں بچے ملک کی خدمت کے لئے میدانِ جنگ میں بھیج دیئے۔ اور وہ سارے کے سارے مارے گئے جب اس کا آخری بچہ بھی مارا گیا تو گورنمنٹ کی طرف سے وزیر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس بڑھیا سے خود اظہار ہمدردی کرے جب اسے بُلا کر بتایا گیا کہ اس کا آخری بیٹا بھی جنگ میں مارا گیا ہے تو ایک طرف غم کے مارے اس کی کمر جھکی چلی جا رہی تھی اور دوسری طرف اس خیال سے کہ اس کا بیٹا ملک کی خدمت کرتے ہوئے مارا گیا ہے اس نے کوشش کر کے اپنی کمر سیدھی کی اور پھر اپنے چہرہ کو خوش بناتے ہوئے قہقہہ لگایا اور کہا۔ کیا ہوا اگر میرا بچہ مارا گیا ہے وہ ملک اور قوم کی خاطر مارا گیا ہے۔

اگر ایک عورت، کافر عورت، ایسی قوم کی عورت جو توحید کے علم سے نا واقف تھی جو خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے پیار سے نا واقف تھی۔ ملک کی خاطر اپنے ساتوں بیٹے قربان کر سکتی ہے اور پھر اپنے آخری بچہ کی وفات پر اپنی کمر کو سیدھا کرتے اور اپنے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر کرتے ہوئے قہقہہ لگا کر کہتی ہے کہ کیا ہوا اگر میرا بیٹا مارا گیا ہے۔ وہ قوم اور ملک کی خدمت کرتا ہوا مارا گیا ہے تو ایک زندہ قوم، ایک موحد قوم، ایک خدا سے تعلق رکھنے والی قوم اور رات اور دن خدا تعالےٰ کے معجزات اور نشانات دیکھنے والی قوم کو کس طرح خوشی سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنیوالے مصائب برداشت کرنے چاہئیں۔ اگر وہ خدا تعالےٰ پر سچا ایمان رکھتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ہر مصیبت پر رضا بالقضا کا اعلیٰ نمونہ دکھائے۔ اپنے آپ کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کے آستانہ پر ڈال دے اور اس کے لئے مرنا خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ اگر وہ ایسا کریگی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ہلاک نہیں کر سکے گی کیونکہ جو لوگ خدا کے لئے مرتے ہیں انہیں کوئی شخص مار نہیں سکتا۔ وہ ایک تنومند درخت کی طرح دنیا میں بڑھتے اور پھیلتے اور پھولتے ہیں جس کی جڑیں ایک طرف زمین کی پاتال تک چلی جاتی ہیں اور دوسری طرف اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔

اب مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ہمیں سچی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرمائے اور بغیر کسی ملاوٹ کے اپنا خالص عشق عطا کرے۔ ہمارے دلوں پر وہ آپ جلوہ گر ہو۔ اپنا چہرہ ہم پر روشن کرے۔ ہماری تاریکیاں ہم سے دُور کرے اور اپنا نور ہمارے لئے ظاہر فرمائے آمین اللّٰھم آمین۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۴۷ء)

۱؎ ۔ صحیح بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃٌ فی بیت زوجھا۔

۲؎ ۔ الاخلاص ۱۱۲ : ۲-۳

۳؎ ۔ الصّٰٓفّٰت ۳۷ : ۱۰۳

۴؎ ۔ الصّٰٓفّٰت ۳۷ : ۱۰۴

۵؎ ۔ الصّٰٓفّٰت ۳۷ : ۱۰۳

۶؎ ۔ الصّٰٓفّٰت ۳۷ : ۱۰۶

۷؎ ۔ سُنن ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ثواب الأضحیۃ

۸؎ ۔ عید کی قربانیاں ۔ مصنّفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ صفحہ ۵۹-۶۰

۹؎ ۔

۱۰؎ ۔ تاریخ الخمیس جزاوّل صفحہ

۱۱؎ ۔